

اُس نے متحوں پر زور دے کر دیکھا۔ صبح ہرگئی ہے یا میری متحوں کا فتوڑ ہے ہٹایا جسے صحیح ہونے والی ہے۔

فوجی افسروں تھوڑی دیر کے لیے ایک پتھر پر بیٹھ گیا تھا، اُنھوں کھڑا ہوا، وہ سرک کی جانب منتظر کے کھڑا ہو گیا اور نیچے دیکھنے لگا۔ سرک والے دو آدمیوں میں سے ایک تیزی سے بجا گئا ہوا اور چڑھتا آ رہا تھا، اور پر پہنچ کر وہ کوڑا اور ان کے پاس آ کھڑا ہوا۔ سمجھتے ہی اُس نے کلائی پر بندھی گھری افسر کے سامنے کر دی۔

”پچاسی سیکنڈ“ افسر گھری دیکھ کر بولا، ”گوڑا۔“ پھر وہ اُس شخص سے مطابق ہر کر بولا، ”بھیک ہے۔“

شاہش:

وہ آدمی آپک کر دیوار پر چڑھا اور نیچے آتی گیا۔ اس کھٹ پٹ سے ریاض کی سانکھ کھل گئی۔ اُس نے کمر پر ہاتھ پھیر کر اپنی گن کٹھوڑا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ آسمان پر آجالا بڑھ رہا تھا۔ استعمال کی روشنی لمحظہ پر لمحظہ ماند پڑھی تھی۔ ریاض اُنھوں کھڑا ہوا، نیچے آتا ہوا آدمی ایک چھوٹی سی چنان کی آڑ میں پہنچ کر رک گیا۔ یہ عمودی چنان سرک سے کچھ فاصلے پر پہاڑ کے دامن میں واقع تھی۔ دوسرے آدمی کی وجہ ایک اسی قسم کے بھاری پتھر کی آڑ میں تھی جو پہلے پتھر سے پچاس قدم کے فاصلے پر تھا۔ ان دونوں پتھروں کی اور افسر کی آپس میں مکمل تحریک بنتی تھی۔ سرک کا وہ مقام جہاں بارود لگانے کی تیاری ہو چکی تھی ان دونوں پتھروں کے عین وسط میں اور افسر کی سیدھی میں تھا، جب پہلا آدمی پتھر کے نیچے جا کر بیٹھ گیا تو افسر نے پتھر اپنا ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔ اب دوسرا آدمی اپنے پتھر کے نیچے سے نکلا اور عربت سے جا کر بارود کا آغزی کنکشی لگانے کا محل دہرانے لگا۔ عمل پورا کر کے اُس نے ہاتھ اور پر اٹھایا۔ جواب میں افسر نے ہاتھ بلند کر کے دوسرے ہاتھ پر بندھی گھری دیکھی۔

”نام سیکنڈ“ وہ بڑا بڑا یا۔

بارود والا آدمی چند سیکنڈ میں اسکے بعد واپس اگر اپنی چکر پر بیٹھ گیا افسر نے چکر کر بیٹھی دلے سے کچھ لوچھا اور پتھر پاٹیں باز دے کے ارمیوں کی جانب چلا گیا۔ اس نے پہنچے گھوم کر دیکھا تو دنگ رو گیا۔ مشرق اُن کی پشت پر تھا، اور سارے مشرقی آسمان پر آجالا تیزی سے پھیل رہا تھا۔ سرک کی جانب ابھی گھپ اندر چھڑا، مگر دوسرا ہلفت سیکنڈ کی ایک پئی آجھتی آہری تھی۔ اس آسمان پر صرف چند ٹپے ٹپے شونے سارے رکھنے رکھنے تھے۔ بیٹھی والا آدمی چوکتا ہو کر پتھر کی دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے پاس جو آکر تھا وہ دراصل بھارتی بیٹھری کی شکل کی کوئی چیز نہ تھی بلکہ ایک جدید قسم کا پلکا ساچھا تھا جس کا ایک بُن دلانے سے برقرار رورداں ہوتا تھی۔ مگر ریاض اسے بیٹھری کہتا تھا۔ بارود والا نادری کے سامنے اس چوکھے کی پشت میں اکر لگنے ہوئے تھے، اور آدمی چوکھے کو اختیار دے سے آٹھا کے چوکس کھڑا تھا۔ اب رہیش والا آدمی اب صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ چڑھنے پر کھڑا

بازو کے اشارے سے غالباً افسر سے باہمی کر رہا تھا جو اسد کی نظر دی سے او جصل بامیں بازو کے آدمیوں کے ساتھ تھے۔ دفعتہ رات کے شانے کو قدری ہوئی دور سے کسی گاڑی کے انجن کی صجم سی آواز آتی ہوئی سنائی گئی۔ آواز نیزی سے تریب آرپی تھی۔ اسد اور ریاضی اور بیشیری والا سرد باکر پہنچ گئے۔ تریب آنے پر آواز ایک سے زیادہ گاڑیوں کی مسلم ہونے لگی۔ اچانک پہاڑوں میں عجیوں کی روشنی چمک آئی۔ روشنی کی ایک دیوار پر پھر دیوار پر متصدی کو چھپ کا تھا، اذیہرے آسمان میں شعاعیں چھپ کر تھیں، سور پھاتی ہوئی گزر گئی۔ اسد کا دل برمی طرح پھر پھر پھر ادا تھا۔ سور سے اُس کے کان پہنچے جا رہے تھے۔ اُسے حسرس ہو رہا تھا جیسے سڑک سے گاڑیاں نہیں ہرائی چھاڑ گزر رہے ہیں۔ مرکوں کے انہنزیں کی اتنی ہمیہب آواز اُس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ اُن کے گزر جانے کے بعد افسر تھجک کر چلتا ہوا یا میں طرف سے نمودار ہوا اور اپنی چمک پر پہنچ کر پھر پہنچ گیا۔

”کون تھے؟“ اسد نے پرتو فوں کی طرح سوال کیا۔

”کوئی ہوں گے：“ ریاضی نے سرگوشی میں جواب دیا، ”اذیہر اہے۔ اُپسے سلیمانی بھی نہیں ملا۔“

افسر نے ادا تھا کے درست اشارے سے، نہیں چپ رہنے کو کہا۔ اُس کی نظریں اور پرچمنی پر لگی تھیں۔ اُسے نیچے والوں کی نکر نہیں تھی، بیشیری والے کی، نہ اوہر والوں کی۔ اب سب کام تیار تھا۔ سب تھے پہنچے تھے، صرف ایک اشارے کی دیر تھی۔ اسد نے والی بیٹھے بیٹھے مشرق کی جانب دوڑ دوڑنک ابھرتی ہوئی نسلکوں کے اور پر ایک طویل نظر دوڑائی۔ درخت اور پہاڑ اور سپاٹ زمین کے نکٹے ہے آہستہ آہستہ اپالے ہیں۔ اُسے تھے۔ اس تیز اور تھے ہوئے وقت کا ایک ایک لمحہ تھی ایک لمحہ تھی ایک لمحہ تھی ایک لمحہ تھی ایک لمحہ تھی۔ اس کے ساتھ گاڑیاں اور گزندگیوں۔ اُن میں پانچ کا ایک فائدہ فرجی گاڑیوں کا تھا۔ ان گاڑیوں کے انجن اور مفارکی آوازے اسکو ان کی پہچان ہوئی اور دیکھے بغیر اسے پتا چل گیا کہ عجیوں کی روشنی پھر دیوار پر نہیں پڑی، سڑک پہنچ لے ہیں اگئی ہے، مگر کافروں نے پڑا ہے، یا اُپسے سلیمانی ہاں، گاڑیاں بکل گئی ہیں۔ اگر گاڑیاں دو ہوتیں، اس نے سوچا، یا تین، اور اُپسے سلیمانی مل جاتا، بازو کا ایک قطعی، معمولی اشارہ، تو گاڑیاں ہو ہڑا جاتیں۔ چیزوں کی ترکیب اور ترکیب کیا کام کرنی ہے تماہم زندگی اور سوت کا فرق محض اتفاق کی بات ہے۔ اُسے علم تھا کہ صرف یہ مخفی سما و فہر اُن کے اس تھیں تھا، رات اور دن کا یکساں اور تیزی سے بدناہ ہوا وقت، جب وہ رات بھر کی تیاری کو عمل میں لا سکتے ہیں۔ یہ بکل گیا تو سڑک کا ڈریفکت تیز ہو جائے گا اور انہیں اپنے منصوبے کو خیر باد کہنا پڑے گا، یا زیادہ سے زیادہ ایک اوہر کو اڑا کر تتر بتر ہو جائیں گے۔ یہ خیال کر کے اُس کے دل میں ان لوگوں کے لیے، ان کی محنت اور ہمارت اور ان کی تندی کے لیے ایک نامعلوم سا افسوس پیدا ہوا۔ جیسے کوئی رفاقت

روٹ جائے۔ یہ لوگ بھی آخر اس کی اور دیا ضم کی طرح اور دوسرے پر اروں لوگوں کی طرح عام آدمی تھے جو روزی کہا ہے تھے۔ ایک اتفاق کی بات ان کی کادش کو ملیا میٹ کر سکتی تھی۔ اس کے بچپن کا ایک قدری سوال اس کے ذمہ میں آیا۔ یہ اتفاق کیا ہوتا ہے ہے اس کا باپ بھی، جو دنیا کی سب بالوں کا علم رکھتا تھا، اس کا باپ دینے سے قاصر رہا تھا۔ اس کے باپ نے یہ کہہ کر مال دیا تھا کہ تم بُسے ہو جاؤ گے تو خود ہی سمجھ جاؤ گے وہ ڈڑا ہو گیا تھا، اور لوگوں کے تعلیم کی تفہی ہی نسلیں اس کے دیکھنے میں آئی تھیں، مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔ اتفاق کی بات اُنہی تھی۔ اس کے باپ نے محل بات پر آکر کہیں جل دی تھی۔ اس اتفاق کا ایک عنصر اس وقت تھا جو بازو کا ایک مخصوص اشارہ تھا، ہوا میں ایک عمودی خط کھینچتا ہوا تیز اور منقصرا درستہ! وہ اشارہ کب آئے گا کہ کیسے آئے گا، کیوں آئے گا؟ اتفاق کی بات اُنہی تھی اور محکم بھی، سمجھی یہاں سمجھی دہاں، اس کی کوئی جگہ نہ تھی، کتنی وقت نہ تھا، کوئی آسان ترتیب نہ تھی۔ یہ کھڑا ہو گئی اور گزر گئی۔ یہ ایک کار تھی۔ افسر کی نظریں چپی پر لگی تھیں۔ اب جلا آتا ہو چکا تھا کہ اسد کو اس گندمی مضمون چہرے پر انکھوں کی پتلیاں نظر آ رہی تھیں۔ ان انکھوں میں کوئی تاثر نہ تھا، خوف نہ تھا، صرف انشکر کی بیانی تھی، ایک عنصر اور ایک لمحہ۔ اگر تھا۔ اس کا انگک زرد تھا۔ درخت اور پہاڑ اور پاٹ زمین کے نکرے — اس علاقے کا عام منظر۔ مگر اس وقت اسد کو محسوس ہوا تھا جیسے آج تک ان چیزوں کو اس نے انکھیں کھول کر دیکھا۔ اس صبح کو ان پر وقت کا اور رثہ کا ایک تیر جاں تھا ہوا تھا جو ایک طرف سے آہستہ آہستہ کھینچا جا رہا تھا، اور جو جگہ نہیں ہو جاتی تھی ایک انکھی نسلیں ہیں۔ فودار ہوتی تھی، جیسے پہلی بار دکھائی دے رہی ہو۔ تندی سے آسمان کو اٹھی ہوتی چڑیاں، جنگلوں کے گھناؤپ پر پڑتے، ان میں ایک ایسی متفاہی طیبی کشش تھی جو اس کی نظر کو بار بار اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ اس کی انکھوں میں شدید کاسا نہ ہوا، ہمگیا تھا اور نظر اس دیسیع دعویٰ میں منظر کی ایک دیکھ چیز پر انک رہی تھی۔ اس کی نظر میں چاہت اور حسرت تھی، جیسے وہ اس سر زمین کو آخری بار دیکھ رہا ہو۔

جب چلنی پر ایزرویشن والے کا بازو ہوا میں آئتا اور گدا تو اسد کو پتا بھی نہ چلا۔ صرف انکھ کے کرنے سے اسے نظر آیا کہ افسر اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ پری رایش، اسد اور بیڑی والا آدمی بھی اچھل پڑے، جیسے دبے ہوئے پر نگ کیا۔ ایک ساتھ چھوٹ جائیں۔ افسر نے اپنا بازو ہوا میں بند کیا۔ بار دو والا آدمی چھوڑ کی آڑ سے محل کر بجا گا اور بڑک کے کنے پر پسخ کر دیکھا گیا۔ اس کے ساتھ تیزی سے بل رہے تھے۔ دور سے اب بڑے کے انجن کی آواز اپنی شروع ہرگئی تھی۔ ایک دو تین چار — اسد دل میں گین رہا تھا۔ مژر کی اواڑ تریب آل جا رہی تھی تیزی سے گزد رہے تھے۔ چھ سات انٹھوں — اسد نے افسر کی نظر دیکھا۔ اس فوجی افسر کی ساری جان گویا

اُس کی آنکھوں میں سخت آئی تھی۔ اُس نے اپنی مشین گن پر ایک مرکا جایا اور دو اسٹے پیس کر بولدا ہے، ہر جی اپ، یعنی ۷ دس۔ گیارہ۔ بار عدہ آدمی اپنا کام ختم کر کے اب واپس بھاگ رہا تھا۔ افسر کے چہرے کا تناؤ کم ہو گیا۔ وہ تیری سے اسدا اور ریاض کی طرف تڑک رہا ہے؛ بیٹھ جاؤ ۷ وہ دونوں دبک کر بیٹھ گئے۔ افسر چھر پرینی چکر پر کھلا ہو کر سڑک کو دیکھنے لگا۔ وہ اپنا ایک ہاتھ آہستہ آہستہ انداز کر کر دھنے کے برابر لایا اور دہانہ کے کھڑا رہا۔ مگر ڈیوں کی آواز اب بہت قریب آگئی تھی۔ بیٹھی دالا آدمی تاروں والا جو کھنڈ گھنٹوں پر رکھتے ہیں دبانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ افسر نے تیری سے ایک نظر اس پر ڈالی اور سڑک کو دیکھنے لگا۔ ریاض اور اسدا افسر کے چہرے پر نظریں جملے میٹھے تھے، جیسے یہ پچھے ہونے والے واقعات کا عکس اس کے چہرے پر نظر آئے گا۔ گاٹیاں دو ہیں یا تین ہیں؟ ابہ نے امداد کیا۔ ایک سے ریا وہ ہیں۔ اب سامنے آگئی ہیں۔ آداز بالکل سامنے سے آ رہی ہے۔

افسر کا ہاتھ یچھے گرا توہینی دلتے نے اپنے ہاتھ کا آنکھوں تھاہیں پر رکھ کر سارا دن اس پر ڈال دیا۔ ریاض اور اسدا اپک کر کھڑے ہو گئے۔ پہنے ڈرک کے لگنے ناموں کے عین یچھے دھماکہ ہوا۔ وھڑاں، گرد اور ڈرے چھوٹے پتھر بھٹوٹ کر سڑک سے نکلے۔ ایک لمبے کے لیے اسکے انہد بھل سی ٹیکی کی ہر درگئی۔ ڈرک اس کے تجھیں کے مطابق نہ پلٹ کر گرا ذہبی اس کے پر یچھے دوزنک ہوا میں آڑتے ہوئے گئے۔ اس کے بھکس، بھاری ڈرک کے لگنے پہنچے ہوا میں ایک فٹ کے قریب اٹھ گئے اور وہ یچھے آہے تھے کہ دھماکے کی رو سے پچھلے پہنچے بھی چند اپنے اچھل ڈرے، جیسے کوئی چھپا یہ بڑی چکر پر کھڑا کھڑا ہوا میں کو د جانا ہے۔ بڑھا ہر ڈرک کو کوئی اور نقصان نہ پہنچا تھا، مگر اس کا انہن بند ہو گیا، اور وہ لڑکتا ہوا چند گز کے فاصلے پر سڑک سے اتر کر ڈیکا۔ ڈرک کی بادی میں میٹھے ہوئے چار فوجی اور آگے ڈرائیور اور اس کے ساتھ ہمیشہ ہوا ایک فوجی چل چلا کر اوازیں نکالتے ہوئے کوئے اور ڈرک کے یچھے دبک گئے۔ پچھے ڈرک کے ڈرائیور نے ایک دم بیک لگائی، پھر اس نے سینیز گن لکھایا اور سڑک سے اٹر کر پولی طرف سے نکل جانے کی کوشش کی جہاں ڈرک کے ہازہ ہازہ نشکاف کے ساتھ پچھے ہوا جگہ تھی۔ ڈرک کا ایک پہنچہ ایک گز ہے میں جاگرا، مگر ڈرائیور نے زور لگایا اور میں چار سینہ کے اندر موڑ قوڑ کر اس نے ڈرک کو کامیابی کے ساتھ درہاں سے نکال لیا۔ آگے رستہ صاف تھا۔ ڈرک کے انہن سے ایک پچھکار ملبد ہرمنی، اور وہ ایک دچھکے کے ساتھ سڑک پر چڑھا ہی تھا کہ مشین گن کی ایک پوچھاڑ نے اس کی ڈسکرین کے لگنے سے آڑا دیے۔ ڈرک کو گھوما اور سڑک کے کنارے پڑے ہوئے ایک بھاری چھر سے ڈکا کر جامد ہو گیا۔ اس کے دروازوں میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ یہ کھڈا ڈرک تھا جس کے یچھے کوئی سوار نہ تھا۔ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ ایک اور فوجی تھا۔ ان دونوں کے جسم سیٹ پر اندھے پڑے تھے۔

پہنے ڈرک کے عقب سے رانفل کے چند فائر ہوئے۔ ایک گرلی پہاڑ کے پہلو میں تھروں کو ہاگر لگی۔ اور سے

ایک گریزیدہ رُک سے چند قدم اور ڈھنکتا ہوا رُک تھے چلا گیا۔ دوسرا اگر یہی دلکش کی بادی پر ڑپڑا اور ٹھپٹھپل کر دوسرا طرف ڈھنک گیا۔ دونوں گریزیدہ کے بعد دیگرے چھوٹتے۔ دھول اور دھماکوں کے ساتھ ہی فضائی ڈھونڈھنگوں کی آواز بلند ہوئی اور رُک کے پیچے سے چار آدمی بجا گئے ہوئے نکلے۔ ایک فوجی اجنہن کی طرف سے نکل کر آگے کو بجا گا اور تین رُک کے عقب سے پیچے کو دوڑتے۔ آگے کو بجا گئے والا ایک ٹانگ پر دوڑ رہا تھا۔ پیچے کو بجا گئے والے اپنی رانفلوں کو سنبھالے چک کر دوڑتے ہوئے دوڑتے چھروں کی پناہ لئے جا رہے تھے جو ان سے میں قدم کے فام سے پر تھے۔ ان چاروں کے سر وال پر آہنی خود تھے۔ چاروں طرف سے انفرسیت پا پیچ میں گینبک اُن پر چل رہی تھیں۔ بیڑی دالا آدمی کھڑا اطمینان اور سرست کے ساتھ بجلی کی دو تاریں کھینچ کھینچ کر آہنیں گولے کی شکل میں پیٹا جا رہا تھا۔ اچانک اسد کی نظر ریاض پر پڑی۔ ریاض کی پیٹھ اُس کی طرف تھی اور دلفی پاؤں کس چنان پر تھے جس سے ٹیک لگائے وہ اونکھا رہا تھا۔ اب وہ اچک کر اُپر دو چھوٹے چھوٹے اجھرے ہوئے چھروں کے درمیان پیٹ کے بیل لیا ہوا تھا اور اپنی چھوٹی سی میں گن کو کندھے سے لگائے گویاں چلا رہا تھا۔ اسد دم بخود کھڑا آئے دیکھنا رہا، جیسے اُس کے ہاتھ اور پلوٹ ایک دم مغلوب ہو گئے ہوں۔ ایک خیال، جو اُس کے ذہن میں آیا وہ تھا، رُک تو اُس کی رینج سے باہر ہے!

میں بجا گئے ہوئے فوجیوں میں سے یہک کو گولیوں کی باڑنے آیا تھا۔ اُس فوجی نے رانفل را تھا سے گرا کر دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن کو دبو پڑا۔ جیسے اپنی سانس بند کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دو ایک قدم وہ اسی طرح دوڑتا گیا، پھر گھٹنوں پر گر ڑپڑا اور اپنا گلا وہاں پائے دہرا ہو گیا۔ اُس کا خود گر ڑپڑا اور اُس کا سر زمین پر گیا۔ اس سجدے کی حالت میں اسٹھنے کئی اور گویاں لگیں۔ اُس کے جسم نہ ہلکے ہلکے چند تیز جھٹکے کھانے اور پھر اُنہوںکے پیٹ پر گر ڑپڑا۔ اُس کے ہاتھ گردن سے الگ ہو گئے اور وہ پیدھا یعنی لیٹا چاروں ہاتھ پاؤں تیزی سے اور ہر اور مارنے لگا، جیسے کوئی باریک ڈالگوں والا بھاری کیڑا ادا ہو کر بے بصلائی سے ٹانگیں ہواں چلاتا ہے۔ اُس نے اگلا فوجی گولیوں کی بوجھاڑ کے آگے بے بس ہو کر دیاں پر گر ڑپڑا اور ایک چھوٹے سے پھر کے ساتھ چپک کر لیٹ گیا۔ وہاں اُس نے اندھا و حصہ اپنا سر پھر کیٹھے رہیں میں وھٹنے کی کوشش کی، بھیر گولیوں کی زد سے پناہ نہ پا کر اچھل کر اُنھیں کھڑا ہوا۔ ابھی وہ ایک قدم بھی دوڑنے نہ پایا تھا کہ بازو چھپل کر کسی بھاری کپڑے کی طرح اور ہے مہہ زمین پر گر ڑپڑا اور بے حرکت ہو گیا۔ میرا فوجی ہست کر کے دوڑتا گیا اور آخر بھاری پھتر کے پہنچ گیا۔ دوسرا طرف کو بجا گئے والا اکٹھ فلکڑا ہوا، حیرت انگر طور پر گولیوں کی مارے پکتا ہوا اُس پھتر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جس کے ساتھ دوسرا رُک جا کر ٹکرایا تھا۔ وہ رُک اور پھر کی آڑ میں پہنچ کر چھروں سے اچھل ہو گیا۔ چند سینڈ کے دفنه کے بعد ان فوجیوں نے دونوں

ہائی سے اپنی رانفلوں کے اکاڈمیا جو اپنی خالی کرنے پر شروع کر دیتے۔

پھر ایک دم خاموشی ہو گئی۔ چاروں پانچوں مشین گئیں ایک سانچہ رک گئیں جو اب ناوجھی تھم گہا۔ افرانے
ریاضت کی طرف وکھا اور حسخہ کر پولاء ”گپٹ ڈائٹن یُر فول“

یا ص و پیں لیٹا لیٹا خاموشی سے دامت نکال کر سپنا۔ افسونے اپنے ماتھوں کو کچھ ایسے حرکت دی جیئے مٹین گن

کامنے اس کی طرف پھیر رہا ہوا اور دانت پیس کر بولا، ”نچے آتی بھیں“
ریاضن پشت پر کھسک کر چنان کے زینے پر آ رہا۔ نچے سے دوناں رائے۔ میں گنوں کی بوجھاڑ پھر شروع ہو
گئی۔ ان کی آہنی، تھکنی ہوئی مسلسل آواز، کھسکناٹ کھسکناٹ کھسک چاروں طرف سے گونج رہی تھی۔ میں پڑھ پچھے میں
پچھے سے پرانی طرز کی ایک ایک گول والی رانفل کی تیز پٹا خے دار آواز آئی۔ ریاضن سرعت کے ساتھ اپنی گن میں نہیں
گویاں ڈال کر پھر اور جا لیٹا تھا۔ اس وقت اسد جیسے ایک سکتے کی حالت سے جاگ آئھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے
ریاضن کی پشت پر اس کا گرتہ فروچ کر اسے نیچے کھینچنے لگا۔ ریاضن کا جسم گرد کی مانند تھا جس سے چٹا ہوا تھا۔ فتحت
اسد کو محسوس ہوا کہ ریاضن کی طرف سے مانع ختم ہو گئی ہے۔ وہ اس کے ہاتھوں میں کھسکتا آ رہا تھا، اور اسد
اے کھینچنے کی بجائے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ریاض اُسی پتھر کے ساتھ بیٹھا تھا جس کے ساتھ وہ یک لگائے رات بھر انگھٹا رہا تھا۔ وہ اُسی طرح یک لگائے بیٹھا تھا۔ اُس کا سر دیکھ طرف کو دھلک گیا ہوا تھا اور اُس کی آنکھیں بے نہ تھیں۔ اس کے ساتھ کھڑا بے نیچنی سے اُسے دیکھو رہا تھا، جیسے ریاض جھوٹ مرت دباں ملچھا اُس سے مذاق کر رہا ہو۔ اُس کی سرچ بند ہو چکی تھی۔ اُس کا دل بار بار دیکھ ہی بات دُہرئے جا رہا تھا؛ یہ کیا ہوا ہے گول کان میں داغل ہو کر رکھ چکے حصے کر پاش پاش کرنے ہوئی نسلک گئی تھی۔ مگر اُس کے پتھرے کو کوئی نقصان نہ پہنچا تھا، اُس کے نفل اُسی طرح صاف تھے، کھڑے کھڑے اور جان دار تھے۔ اس نے ہاتھ درڑھا کر پیارے اُس کے چہرے کو چھوڑا۔ اُس کی جلد ابھی گرم اور طافم تھی۔ وہ پہلی بار ریاض کے چہرے کو چھوڑ رہا تھا، اور اُس نے ایک لمحہ پر اُس کا آنکھوں کا حقیرت سے آشنا کر دیا۔ وفعۃ اُس کی آنکھوں میں خون آر آما۔

طرف سے فائر بند ہو چکا تھا۔ چند لمحوں تک وہ شخص اُسی طرح کھڑا پہاڑ کی چوٹی کی طرف دیکھتا رہا، پھر آہستہ آہستہ سر کو نفی کے انداز میں ملاٹنے لگا۔ کئی بیکنڈ تک وہ منہ سے کچھ ڈونے بغیر سر کو آہستہ آہستہ جاتا رہا، جیسے کہ بات سے منع کر رہا ہو، پھر دلتی بھولی آداز میں چلنا اٹھا۔ نہ مارو۔ پر ما تا کے لیے مجھے نہ مارو۔ میری ٹانگ، تو ملکے لگا، ”ٹوٹ گئی ہے۔ مجھے جان سے نہ مارو۔“

ایک لمبے سکیلے اسد نے صبح کی روشنی میں اُس کا سائز لے لگ کا دھمکی ہوئی مونچھوں والا دینغان چہرہ صاف طور پر دیکھا، اور گن کندھے پر رکھ کر پورے ندر سے بلبلی دبادی۔ اُسی لمبے دوسرا طرف سے ایک اور مشین گن کی، ذرا بھاری آواز والی، دو مختصر سی باڑھیں آئیں۔ دو آدمی اُسی طرح ماتحت اٹھنے، حیران سے آسمان کو دیکھتا ہوا پلٹ کر گرا اور آہستہ آہستہ لوٹنے لگا، اسدنے اُس وقت تک بلبلی دباۓ رکھی جب تک کہ اُس کی گولیاں ختم نہ ہو گئیں۔

پھر عقب سے کسی نے اُس کے سر پر کسی آہنی شے سے ندردار ضرب لگائی۔ اُس کی آنکھوں کے اندر روشنی کا ایک پساخا پھر ہوا اور وہ پلٹ کر گر پڑا۔



وہ چست لیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھو لیں تو آسمان نظر آیا۔ آسمان پر دھوپ تھی۔ وہ بے حرکت یہاں آسمان کو دیکھتا رہا۔ اسے کچھ یاد نہ تھا۔ پھر در سے سائیں سائیں کتنی ہوئی اُس کی یاد و اشتہ لوٹنے لگی۔ اس کے کافروں میں گھوں گھوں کرتی ہوئی آنکھ کے چلنے کی آواز آہری تھی۔ پھر دو آدمیوں کی خوفزدہ، اُد پنچی آوازیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ پتھر کی دیوار کے نیچے ٹڑا تھا۔ اس کے سر ہیں در دلک میں آنکھ رہی تھی۔ اس نے اٹھ لگا کر دیکھا۔ سر کا پچھلا حصہ چھوٹے سے گیند کی شکل میں ابھر رہا تھا اور کچھ مقدار میں خون رسک رہا تھا۔ نیچے سے گئر لگانے کی آواز آئی اور گاڑی ٹیکھے کی طرف چلی، گیر بدلہ اور گاڑی اگے آئی، پھر پتھرے، پھر آگے۔ یہ ایک سو بیمنیں بڑک تھا، اسدنے آواز سے پہچانا۔ بڑک گھوم کر پھر سے آیا تھا اور صرد اپس چلا گیا۔ اب اس کے چاروں طرف نہ اٹھا تھا۔ اس نے اور صرد بیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ نہ وہ لوگ، نہ ریاضی کا جسم، نہ کسی شے کا نام رہشان، جیسے کہ پچھو دیر پہنچے کے واقعہ ایک خواب تھے۔ اس کے چاروں طرف اب پتھر کی بے جنبش چیزیں گزی تھیں، جیسے آج تک کسی نے بہاں قدم نہ

وھرائے۔ اُسے آبکھائیاں آئندھیں۔ اُس نے پاؤں کے بل میچھ کرتے کی۔ پچھو دیتک وہ سرکو دوڑن اتحوں میں تھے وہاں پینچھارہ۔ اُس کے کانوں میں دوبارہ دوسرے لگائیں کے انہوں کی اوازیں ال شدید ہوئیں۔ وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ پہاڑ سے آٹے لے لگا۔

(۱۱)

”آج پچھے لے کر آئی ہوں پچھکل لے آؤں گی“ جنت نے کہا۔

”بہت ہے“ اسدے لکھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا، ”اور نہیں چاہیے“

”سرکھ کر تھوڑی رہ جاتی ہے“

”میرے پے بہت ہے۔ زیادہ کی کیا ضرورت ہے؟“

”تمہاری سانس اب اچھی ہے؟“

”ہاں“ اسدے کہا، ”اب اچھی ہے۔“

اس کی سانس کا ترا ترقام تھا۔ دن بھر دھتوں میں چھپے رہنے کے بعد وہ رات کو اوھر آیا تھا۔ جنت نے اُسے تمازہ روٹی پکا کر دی تھی۔ اب وہ بیٹھا ایک نرم کے سانگ کے سالن کے ساتھ روٹی کھارا رہتا۔ پچھے ایک طرف زمین پر بچھی ہر فی گردی کے اور پیدا نہیں آنکھائے اپنے ہر دن سے کھیل رہا تھا۔

”رباٹن نہیں ریا“ جنت نے ذکر کیا۔

”کام پر ہے۔ اسد نے کہا۔“ میں آج رات کو چلا جاؤں گا۔“

”کل چلنے جانا۔ جنت بولی۔“ کہتے ہیں آج پس پھر رہی ہے۔ اور نگدی کے پار رانی ہوتی ہے۔ فوجی مانے
گئے ہیں۔“

”تم نے پس ویجھی ہے؟“

”نہیں۔ کہتے ہیں ملاتے ہیں پھر رہی ہے۔ رات کو چلا نجیک نہیں۔ کنی بے گناہ پکڑے جاتے ہیں۔“

”بچھے کام ہے۔“ اسد نے کہا۔ ”میں بھل جاؤں گا۔“

”تہاری مرضی۔“

کمانے سے فارغ ہو کر جنت نے اس کے برتن دھونے۔ تہارے پاس کپڑا نہیں پہنچا۔ اس نے پوچھا۔

”نہیں۔“

جنت نے کھاٹ پر سے ایک گڈڑی اور کھیس لا کر اسد کو دیے۔ ”یہ لو۔ تھوڑی دیر آرام کر لو۔ پھر پہر
نکل جانا۔“

اس نے خاموشی سے گڈڑی پکڑ کر ایک طرف زین پڑھائی اور کھیس اور دھکر لیا۔ سورت کچھ دیتک
ادھر اور حکٹ پٹ کرتی رہی۔ پھر اس نے لاٹیں کی تی پھی کی، مگر پھونک مار کر بچائی نہیں۔ کھاٹ سے اس نے
ایک چڑا سالحاف اٹھایا اور آگز پچے کے پاس لیٹ گئی۔ حاف نے ان دونوں کو دھک لیا۔ لاٹیں کی بھت بہت
پچھی تھی۔ اسد نے یہ سے یہ سے کمرے میں نظر پوڑائی۔ اس نیم اندھیرے میں بھی کمرے کے اندر صفائی کا احساس ہتا تھا۔
دو چار چیزوں تھیں مگر کم معلوم نہیں ہوتی تھیں۔ ایسی ترتیب اس نے حیکم کے کمرے کے بعد اس کمرے میں ویجھی تھی۔
تھوڑی دیر کے لیے اس کی آنکھ لگ گئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ گبرا کر اٹھا بیٹھا۔ اس نے کوڑکھول کر آسمان پر نظر والی۔ رات بھی آوھی سے زیادہ
نہیں گزدی تھی۔ اس نے کوڑ بند کر دیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ اب اسے چل دینا چاہیے۔ کیا پتا کب اس کا گھر رہیاں
تھیں۔ مگر کے باہر وہ زیادہ محفوظ رہے گا۔ اس نے جا کر اپنی بیٹی کی بیکھڑی اٹھائی۔ اسے اتنا میں لٹکائے وہ کئی
لمحوں تک کھڑا جنت کے سرے ہوئے چہرے کو دیکھتا رہا۔ دیکھتے دیکھتے وہ پاؤں کے بل اس کے پاس بیٹھ گیا۔
آہستہ سے اس نے بھاٹ کا ایک کن اٹھایا۔ سفید کرنے کے اندر بے معلوم سافن سے جنت کا سینہ پل رہا تھا۔
اس نے آہنگی سے اس کے سینے پر اٹھا رہی بیسے ہوا پاپسا ہاتھ چلا رہا ہو۔ سر ملائے بغیر خودت نے ہولے سے آجھیں
کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں نیند کے ٹوٹنے کا کوئی استھاناب نہ تھا۔ اس نے چھوٹی سی کیساں آواز میں اتنا کہا۔

"علیٰ"

اسد نے گٹھری زین پر کمی اور اس کے ساتھ لیٹ گیا۔ لمحات کے انہوں اس کے خواب آؤ جسم سے بیکشناں
سی بو آہی تھی، جیسے تازہ کھنڈی ہوئی زین ہو۔

"میرا نام اسد ہے" اسد نے کہا۔

"اسد علیٰ ہے" وہ بول۔

"ماں" پکھ دیر بجد اسد نے کہا۔

رات کے پہلے پہروہ جانسکیے اٹھا تو جنت نے دے دے دے باتھ سے اس کے کندھے کو چھڑا۔ مکمل
چھٹے جانا" وہ بولی۔

اسد نے جگ کر اپنی گٹھری اٹھائی اور جنت پر ایک نظر ڈال کر باہر نکل آیا۔

"نجیاں سے جانا" دروازے پر آگئی ہوئی جنت نے کہا۔

"اپھا" وہ بولا۔

گاؤں سے باہر نکل کر وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔ اس نے قیچے مڑکر اس مکان پر ایک آفری نظر ڈالی تو
اُسے خوشی محمد کا خیال آیا۔ خوشی محمد اب کہاں ہو گا جو خوشی محمد نے اپنی زندگی سے بخلنے کی خاطر بیاں کر ایک
عورت کے لیے اپنے اتحوں سے یہ حیرت ناک مکان تعمیر کیا تھا، اسد نے سوچا۔ مگر زندگی کی زندگی سے پسخ کر بخلنے کرنی
آسان ہے۔

پھر وہ اندر ہری رات میں چل ڈیا۔



سب سے اول مندہ خراک کا تھا۔ اس نے بے آباد علاقوں سے خراک حمل کر کے زندہ رہنے کی تربیت
حمل کی تھی۔ مگر اب مسلیح حق خراک حمل کرنے کا ذائقہ، بلکہ گنامی میں خراک حمل کرنے کا تھا۔ جب وہ ادھر آیا
تحاقو اس کے آگے ٹھکانے تھے، اور اس کے پاس ایک نام تھا اور ایک کوٹ تھا جس سے اس کی شناخت ہوتی

تھی۔ اب نہ اُس کے پاس تھم تھا نہ آگے کرنی ملکا نہ تھا۔ اُس پہلی رات کو کئی بار اُس نے ارادہ کیا کہ ریاضی کی ماں کے پاس جائے، اُس سے ادھر اور اُس کی کافی بات کرے، اپنا ایک آدمی کپڑا وہاں سے اٹھائے، اور نکل جائے۔ مگر ادھر اور اُس کی بات کرے ہے اُس کپڑے بدن اور تیمہ پھرے والی پڑھیا کا، جس نے ماں کی طرح اتنی درستگی اُس سے پہنچے پاس رکھا تھا، سامنا کرنے کی اُس کو وجہت نہ ہوئی۔ پھر اُس نے خیال کیا کہ سلطان کے پاس چلا جائے۔ مگر سلطان کو جو پہنچ چکی ہوگی۔ لہش ان لوگوں نے بہر صورت ملکا نے لگادی ہوگی اور اب سلطان اُس کا انتظار کر رہا ہو گا جو بے اجازت اُن کے ساتھ چلا گیا تھا۔ کافروں کو پہنچ جائے گی اُس کی ہمیلت کا پس اچل چکا ہو گا، رات کی رات میں وہ لوگ دوسری طرف نکل جائیں گے۔ بلکہ بات اور پہنچ جائے گی۔ اُس نے حکما میں خلاف دہنی کی تھی۔ اُسے ان کے طور طریقوں کا پھری طرح سے علم تھا۔ وہ رات بھر اُس علاقے کے اندر بے راہ روی سے چکر لگانا رہا، آخر صبح ہوتے ہوتے باہر ہی باہر سے چل پڑا۔

چنانچہ اب وہ اس عجیب غریب صورت حال سے دوچار تھا، جہاں پہلے اُس کی شاخت کر دلنے کے لیے پیش قدمی کرنا پڑتی تھی، اب اسی شاخت کو صیغہ راز میں رکھنے کا سند تھا۔ اس نیم واقعہ دنیا میں سفر کرنے کا جو ایک پاسپورٹ اُس کے ہاتھ میں تھا، پھر گیا تھا۔ اب وہ پہاں پہلے دن سے زیادہ اینہی تھا۔ اُس کا ذہن اس خطرناک صورت کو جانپ کر جاگ آئھا تھا۔ اُسے پتا تھا کہ اب اُسے صرف بخی عقل اور ہشیاری کے بل پر سفر کرنا ہے۔ اُس کی منزل مقصود صرف ایک تھی۔ گشاد۔ وہاں تک اُسے کسی دسکی صورت پہنچانا تھا۔

خطرے میں گھر کر اُس کا فارغ صاف ہو گیا تھا۔ اُس نے محروس کیا کہ اُس کی سوچ میں کوئی رکاوٹ نہیں آئی چاہیے، کوئی ایسا خیر اس والہ جواب۔ اُس کے دشمن خداذاب ایک نہیں در دست ہے؛ ایک پہنچے، ایک پڑئے۔ اور اُسے ان دو فوں کے انہے سے نکل کر جانا تھا۔ وہ نہ یک کے راستے کو کاٹ سکتا تھا نہ دوسرے کے راستے کو۔

اُسے اپنا ایک رات نکالنا تھا، اور یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس میں اُسے عقل اور حس دو فوں سے کام لینا پڑتے گا۔ خوش قسمتی سے ان حالات نے اُس کی سانس پر کوئی برا اثر نہ دلا تھا۔ کافی ہو ہے اُس کا سیدھہ متوازن

پل رہا تھا اور جوں جوں خطرہ پڑھا جاتا تھا اُس کا ذہن تہتر برہونے کی بجائے صفات اور تیز تر ہونا جا رہا تھا۔ اُس نے چوبیں گھننے سے سوائے جو کی پرانی فصل کی چند گردی پڑی ایساں چاہنے اور ایک چشمے سے منہ لگا کر پانی پہنچنے کے اور کچھ کیا اونہ پیا تھا اُس کے پیٹ میں بھوک کے ہیچ پڑھنے سمجھتے تھے، مگر اُس کی قوت برقرار تھی۔ دن بھر میں اُس نے بہت کم سفر کیا تھا۔ بیشتر وقت اُس نے حالات کو جانچنے اور فرار کی سیکھ بندنے میں صرف کیا تھا۔ حالات بہت سے تھے اور صورتیں کم تھیں، اور انہیں آپس میں فٹ کرنے کے کام سوال تھا۔ وہ دن بھر ایک چھوٹے سے جنگل

میں چھپا رہا۔ اُس نے اپنے چار سے، جو اُس کا داحدر تھیا رہتا، ایک مضبوط سی شاخ کاٹی اور اُسے چھپل چھپل کر ہوا کرتا رہا، حتیٰ کہ وہ ایک لاٹھی کی شکل میں تیار ہو گئی۔ اخروٹ کی نہوں کٹری کو کاٹتے کاٹتے اُس کے چاقو کا پھل اپنی دھار گزرا بیٹھا، مگر اُس مضبوط لاٹھی کو تیار کر کے اسد کو عجیب سی خوشی اور رکعت کا حکم ہوا۔ چاقو میں وہ چیز نہیں تھی جو اُس لاٹھی میں تھی۔ اس لمبی اور گول کٹری کے گلوٹے کا اپنا ایک تازہ تازہ وجود تھا، جیسے ایک ساتھی ہو۔ لاٹھی تیار کر کے اُس نے چاقو کو پھر پر لگر کر تیز کیا۔ جیسے جیسے اُس چڑے اور توکدار پھل کی چکڑ اور کاٹ دا پس آتی گئی، اسد کے لمبی میں سرخوشی کی ہوا تھی گئی۔ آخر اُس نے چاقو کے دستے کو مضبوطی سے اپنی گرفت میں لیا اور ایک بھر پوردار کے ساتھ اُس کے پھل کو ایک پیڑ کے تنے میں لھونپ دیا۔ چیز کی زم کٹری کی کئی تھوڑی کو چیز کو چاقو کا پھل دو اپنے ہنگ اُس کے اندر ڈال گیا۔ اسد نے دستہ باتھ سے چھوڑ دیا۔ چاقو نے میں تیر کی طرح کھبارا اُس کے دستے میں بے معلوم سا ارتشاش تھا، جیسے زین کانپ رہی ہو۔ جب اسد نے اسے نکالنے کی کوشش کی تو اُسے معلوم ہوا کہ چاقو جس آسانی سے تنے کے اندر آتا رہتا اتنی آسانی سے باہر نہیں نکلے گا۔ ایسے گتا تھا کہ کٹری نے اُسے اپنے جبڑوں میں مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے، اور اگر اُس نے اٹ سیدھا زور لگایا تو پھل توٹ جائے گا۔ آخر کافی دیر کی ہنگ دو کے بعد وہ ہمارت سے چاقو کو تنے سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس کا جو چاد رہتا کر دہ اُس نے کی زم ہموار چلہ پر کچھ لکھے، کوئی شکل بنئے، کوئی نشان چھوٹے۔ مگر اس درخت نے اُسے ایک جتنی سکھایا تھا، کہ اگر وہ اپنی چند چبڑوں کو اور ان کی متاع کو بے دھانی سے صرف کرے گا تو اُس زین کے چھل سے نکلن اُس کے لیے محل ہو جائے گا۔ اُس نے افزاں سے چاقو کا پھل سمیٹ کر کر تے کی جیب میں دال لیا۔ راستے مکرنے کی ایک بڑی مشکل تھی۔ کون سارا ست اخیار کیا جائے؟ دور استے اُس کے علم میں تھے۔ ایک راستہ سڑکوں اور دوسرے رستوں کا تھا جو عام استعمال میں آتا تھا۔ دوسرا راستہ ان کے پشتے ادمیوں کا تھا جو مرد کے قریب قریب کر بارہ دنی سرخوں کے باعث پر لتمار بنتا تھا، مگر آگے نہیں کر سکتی کہ سڑکوں کے اُس پاس چلتا تھا۔ یہ دونوں راستے اُس پر بند تھے۔ میرا راستہ اُس کے علم میں نہیں تھا، اور یہی نامعلوم راستہ اُسے اختیار کرنا تھا۔ وہ راست کون ساتھا ہے اُسے صرف اپنے پاس تھا کہ جہاں ہنگ دہان دنوں رہستوں سے دُور دُور کر چلا جائے گا، دہتی میرا راستہ ہو گا۔ اُسے بڑی بھی پاس تھا کہ پہاڑی علاقوں میں بیدائی سفر کا حساب نہیں چلتا۔ بیدائیوں میں اگر آپ کسی ایک راستے سے احتراز کرتے ہوئے چلنا چاہیں تو دو چار میل کا پھر کاٹ کر نہیں سکتے ہیں۔ بیدائی کسی کا راستہ نہیں روکتے۔ پہاڑوں کی بات دُسری ہے۔ پہاڑوں کے راستے محدود ہوتے ہیں، اور ان سے اگر آپ ہٹ کر چلنا چاہیں تو سفر کی سمت غائب ہو جاتی ہے، جس کا مطلب ہے کہ رُٹ کر سے اگر دو دن میں اور خوبیہ راستے سے چار دن میں سفر کرنا ہے،

ترن معلوم رہتے ہے ہر سکتا ہے چھ دن میں کئے ہو سکتا ہے چھ بنتے ہیں۔ اُس پہلے روز جگل میں چپ کر بیٹھے بیٹھے اس نے ان چھ دن کا حساب لگانا چاہا تو ممکن ت کے اس بے انت سلسلے کو پہنچا۔ لہ کرنے والوں کے بارے میں سمجھنے لگا۔

نام کرن سا اختیار کرے ہے دوسری پہلے رکاستون کی مانند، اُس کے دوسری ناموں میں خطر و پوشیدہ تھا۔ یہک تیسرا ہم چاہیے تھا۔ سب سے پہلا نام جو اُس کے ذہن میں لایا ہیر تھا۔ ایراچاہم ہے، اُس نے سمجھا، آسان ہے اور اس علاقے کا نام نام ہے۔ اس نام سے نہ بے خل سفر کر سکتا ہے۔ اُس نے یہ بھی ملے کیا کہ بیشتر سفر رات کے وقت کرنا بہتر ہے گا۔ مگر ایک آدھ رات اندر ہی آئے گی، مگر خطر و کم ہو جائے گا۔ اُس کی انکھیں اندر ہیں سفر کرنے کی عادی ہو چکی تھیں تھیں جو ان راؤں کے بعد، اُس نے حساب لگایا، چاند کی روشنی اتنی تکل آئے گی کہ آہنی چل کے۔ اب سب سے اول منڈ خدا کا رہ گیا تھا۔ کئی طریقے اُس کے ذہن میں آئے، مگر آخر کا درجہ کو آہنے اُس نے وقت کے اور پھر دیا۔ ان میں سے کوئی یہک بھی ایسا نہ تھا جو وقت سے پہلے ملے کیا جاسکتا تھا۔ آہنے کا نکلے اُس پر اس بات کا انکھاں ہوا کہ راستے کا تین ہر یا خدا کا حصول، صرف مرتع محل بی اس کی لاد نکلے گا۔ اُس کا ہم آنا تھا کہ اپنی انکھیں کھلی رکھتے اور چڑک سے بچا رہے۔ پہلے روز جب وہ پہلا تو راستے کے تیر سے پھر تک نہ کر رک گیا۔ یہک منظر سے گاؤں کے باہر، یہک ہمیں دخت کرتے ہے گی کہ اُنگتے ہوتے اُس نے باقی رات گوارا ہی۔ اس سے اسے دو بازوں کا سبق ملا۔ یہک یہ کہ پہاڑوں کا کٹتے ہوئے چنانہ جب کہ پہٹ بھی خالی ہو، نہایت تھکا دینے والا سفر ہے۔ دوسرے یہ کہ راستے کے ساتھ ہی سفر شروع کر دینے کا مطلب ہے پہکھنے پھر کو کہیں پہنچ کر مٹھڑتے رہو۔ کوئی بھاری کپڑا ساتھ نہیں، چنانچہ ہر رات کو سفر کی ابتداء میں جتنی تاخیر ہو سکے بہتر ہے۔ اُس پہلے گاؤں میں وہ سردی کا راہ ہوا یہک کسان کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ انہ سے یہک سوہنہ متوجہ ہوئی تو وہ بولا کہ سافر ہوں، پھر دیر آدم کو چاہتا ہوں۔ سعدت نے مُرکب مرد سے بات کی۔ مرد دوڑے پر آکر مٹکوں کی نظر وہ سے اسے گھوڑے نے لگا۔

”سیرے سیرے آدم کرنا چاہتے ہو ہے“

”راست کو سفر کرنا ہوں۔“

”کہاں سے اٹھے ہو ہے؟“

”چار کوں سے؟“

سحدت کے کان کھڑے ہوئے۔ ”تم نہ گئے شام کے فیر تو نہیں ہے“ دو بولی۔

”میری کیا مجال، اسد نے کہا، ”کہ شاہ کا فقیر ہوں۔ اللہ کا بندہ ہوں۔“

اس پر خودت کو یقین ہو گیا کہ وہ ناٹگے شاہ کا فقیر ہے۔ اُس نے مرد کو بتایا کہ فقروں کو رات کے وقت سفر کرنے کا حکم ہوتا ہے اور ملائی کو مزید سوال جواب کرنے سے منع کر کے اسد کو اندھہ مل گو کیا۔ جبکے کوارٹ کے دروازے میں قدم رکھ کر وہ ایک پچھنٹی سی چار دیواری میں داخل ہوا جو مرکان کا احاطہ تھا احاطے میں ایک طرف ایک گھائے اور ایک بھری بندھی تھی۔ وہ دوسری طرف جا کر دیوار کے ساتھ دھوپ میں بیٹھ گیا۔ خورت اُس سے پوچھے فقیر تھوڑی دیر میں نازہ مولیٰ پکا کرے آئی۔ اس نے ایک مدت کے بعد اندر کی شکل دیکھی تھی۔ ”میں دربارِ ہaremی دینے جاتی رہتی ہوں۔“ خورت بھری کی طرف دیکھ کر بول، ”یہ جانور میں نے رکھا ہے۔ بھری مشکل حل ہوتا ہے میں سر کار میں جا کر بھجواؤ۔ آپ بزرگ میرے لیے دعا کروں۔ آپ کی دعا قبول ہوگی۔“

”اللہ مدد کرے گا۔“ اسد نے کہا۔ خورت نے ایک گڈی لاکر زمین پر پچھا دھی تھی۔ دن بھر وہ اس گڈی پر دھوپ میں سویا رہا۔ کئی روز کے بعد اُسے اتنی نذر کی نیت آئی تھی۔ شام کے وقت دوبارہ اُس نے گرم گرم کھانا کھایا۔ گھر تھم کی پوچھ پھر بندہ پوچھی تھی، ”مگر کسان، جو شام کے وقت گھر رہتا تھا، بار بار اسد کو شکنی نظر دی سے دیکھ رہا تھا، جیسے اُس کا یقین اٹھتا جا رہا ہو۔ کھانے سے فارغ ہو کر اسد نے گڈی زمین سے اٹھائی اور اسے اور جو کر دیں دیوار سے نیک لگا کر بیٹھ گیا۔ بات چیت سے پچھنے کے لیے اُس نے آنکھیں پیچ لیں اور ہستہ آہستہ ٹلنے لگا، جیسے مراتیسے میں جا رہا ہو۔ پیسار سے اطوار اُس پر خود بخود دار دہرتے جائیں تھے روز روئے پہ جا کر نٹگے میں نہ فقیر کا رُپ دھار نے میں اُسے کرنی اپنیا محسوس ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ کنپوئے کی تیاری کرنے لگا تو خورت نے اُسے رات بس کرنے کے لیے اندر مدد گو کیا۔ اس نے آنکھیں کھول لیں نہ کرنی جواب دیا۔ اُسے کچھ کھر خیس کی اداز آئی۔ خورت اپنے مرد سے کہہ رہی تھی کہ فقیر کو چھپر ناٹھیک نہیں جہاں بیٹھا ہے وہیں بیٹھا۔ پسے دو، قسمت اچھی ہوئی تو میں دیرا لگا لے گا۔ اس نے دل میں شکر ادا کیا کہ قدرت اُس کی مدد کر رہی ہے، اس نے دیسا اداز اختیار کیا تھا کہ اس کے سفر کے بارے میں کوئی مزید بات چیت نہ ہوئی تھی۔ کسان اور اُس کی بیوی واپس چلے گئے۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ گمائے، اُس کے بچھڑے اور بھری کو چھپر کے نیچے لے جا کر باندھ دیا گیا تھا۔ گھر غائب دو کروں پر مشتمل تھا۔ دروازہ اندھے سے بند کر لیا گیا تھا، مگر ایک درز میں سے بتو کی روشنی آ رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد روشنی ختم ہو گئی۔ رات پر گئی تھی۔ آدھی رات کے قریب اس اٹھا۔ اس نے گڈی اٹھا کر اپنے بدن پر پیٹھ بلوٹی کی گھری کو لامبی کے بسرے پر باندھا اور دہائی سے چل پڑا۔ وہ صحن پاک کر رہا تھا کہ بھری ایک بار منہماں۔

اسہ اس آواز پر بھاگ آئی۔ اُس نے یک چلاںگ سے در دارہ عبور کیا اور تیر قدموں سے گاؤں سے بخل جی۔

اب یک گڑھی کم اذکم اُس کے پس تھی۔ اے پہلی دفعہ اس بات کا تجربہ ہوا کہ بے صرہ سامانی کی حالت میں یک گڑھی کا ہونا کس قدر عین الطینان کا باعث ہو سکتا ہے۔ چادر یا کھیس میں وہ بات نہیں تھی، شاید اس لیے کہ پتلے کپڑے اور ہے پسیٹے جانتے سے جن کا لباس بن جاتے تھے، کنوں کاروں سے پٹ کر بدن کی شکل اختیار کر لیتے اور جسم اسی طرح نکلا اور غیر محفوظ رہا تھا۔ گڑھی کی بحیب ہات تھی۔ اس کو تنک نہیں آتی تھی اور اور ہی جانتے تو پٹے کی بجائے جسم کے گرد یک کھرا کھڑا حصہ بنا دیتی تھی جس کے اندر بدن آزاد بھی رہتا تھا اور پناہ گزین بھی، اور جسم کی گرمی محفوظ رہتی تھی۔ اس وقت گودہ سفر کا ستا چلا جارہا تھا مگر اُس کے دل میں اب تک پھلی رات والا درجاءگزی نہیں تھا۔ اب وہ گریا شوق سے اُس وقت کا انتظار کر رہا تھا جب اداہ کر رہا تھا اور اپنے آپ کو گڑھی میں محفوظ کر لے گا، جیسے یک گھر وندے میں ڈپا ہو۔ لاٹھی بندے کا یا نسکر کر لیتے جائے گا اور اپنے آپ کو گڑھی میں محفوظ کر لے گا، جیسے یک گھر وندے میں ڈپا ہو۔ کھیل کر کے جیو جائے کے بعد اُس کو سب سے بڑی تسلی گڑھی حاصل کر کے ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اے یک کار آمد گزر بھی اتحاد گیا تھا جس کو اُس نے لگکے در دنہ کم کا میا می سے استعمال کیا۔ وہ بے خوف سے کسی کھلتے پیٹے کیان کے گھر پر جا پہنچتا اور اپنے آپ کو کسی مزار کا فقیر ٹھاہر کر کے کھانا اور جلدے ادا م طلب کرتا۔ پسیٹ بھر کر کا کھا کر وہ اپنی گڑھی میں بکر سر جاتا۔ جب اٹھاتا تو آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتا، اور سوائے پیچ پیچ میں اٹھ کا ہم پکارنے کے کسی بات کا جواب نہ دیتا۔ بد قسمتی سے یہ گزر یادہ دوستک میں سکھا رہا اس کی دو وجہ تھیں۔ ایک تر کہ وہ اب تیری سے نامگھے شاہ کے علاوہ دوسرے سے بخلتا جا رہا تھا، اور نئے علات قی میں اثر رکھنے والے مزاروں سے اُس کی واقفیت نہ تھی۔ مگر چاہے سکنہ سی سکون بند کیوں نہ ہو، اے کا میا بے استعمال میں دنے کے لیے چند مشرطیں لائیں تھیں۔ مثلًا پہلے چند الغلط میں، بھیاری سے، اپنے علاقہ ارادت کا نام لینا اشد ضروری تھا، وہ دوستکوں کی سخت نگرانی جمعیت آسانی سے بچ سکتی نہیں جاتی۔ س بات کا اے علم ہوا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ مختلف آبادیوں کی پیروپتی کی دعیت کا اندازہ کرنے کا مشکل تھا۔ تیری سے روزہ وہ ایک ایسے گاؤں میں پہنچا جو شدید قسم کا پیروپت گاؤں تھا۔ چنانچہ غیرہ پہنچب وہ نیند پوری کرنے کے بعد جا گھا تو اُس نے دیکھا کہ ادا گاؤں اُس کے گرد بیٹھا ہے۔ بیہاں سے وہ بکھری۔ آنکھیں بند کیے بیٹھے بیٹھے اُس نے سوچا کہ یہ تو ائمہ اپنے اور پر توجہ مرکوز کرنے کا ایک آسان طریقہ ہے۔ اگر وہ اسی پکار بند رہا تو شاخت راز میں رہنے کی بھائے کہیں نہ کہوں گے تھکل آئے گی۔ چنانچہ وہ جگ پھوڑنے سے پیشتر بھی اسے

نے اس طریقہ کا کوئی ترک کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ اب وہ کیا کرے ہے؟

پھر اپر سے رات اس کو چکر دے رہا تھا۔ پہلے دونوں راستوں سے دو بائیوں نور رہنے کی کوشش میں دہ کہیں کا کہیں مکمل گیا تھا۔ اپنی تربیت کے دران اس نے پہاڑوں میں کیلئے سفر کرنے کے چند اصول سیکھے تھے، جن کو وہ مکن حونک استعمال کر رہا تھا۔ مگر یہ اصول بھی چند باروں سے مشروط تھے۔ مثلاً یہ کہ جس علاقے میں وہ جانلے کسی دکسی طریقے سے اپنے امیوں کا پتا لگانے کی کوشش کرے۔ اس کی بھی چند شرطیں تھیں۔ وہاں سے پھر وہ مزید احوالات حاصل کرے اور ضرورت ہو تو اپنی سمت سیدھی کرے۔ مگر اب وہ بھی اصول کی بنیادی شرائط پوری کرنے سے قصر تھا۔ جس مکمل ہے سر دسامنی کی سافری سے وہ دوچار تھا اس کے لیے کوئی اصول وضع نہیں گئے تھے۔ اس کے لیے گُر آسے پہنچنے سے وہ کجا و کرنا پڑ رہا تھا۔ رات کے وقت آسمان پر نظر ڈال کر آسے صرف اتنا پتا چل جاتا تھا کہ وہ بالکل اٹھی سوت میں نہیں چلا جا رہا۔ مگر یہ کہ وہ سرحد کی جانب پڑھ رہا ہے یا اس کے متوازنی چلا جا رہا ہے، اس بات کا پتا چلانا دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ چوتھے روز پہلی بار ایک پہاڑ کی چوپان سے اُسے دو ایک گاؤں کی بینان حرکت کرتی ہوئی لفڑائیں، مگر ہزار کوشش کے باوجود وہ رات کے اندر جو ہے میں یہ زبان سکا کہ سڑک کا کیا کون سا مقام تھا۔ اس نے سوچا کہ چار راتیں ہو گئی ہیں، کم از کم یہ تو پتا چلا چاہیے کہ یہی نے کتنا فاصلہ طے کیا ہے۔ سفر کا ٹھنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔ اس نے باقی رات دیہی پر بس کرنے کا ارادہ کر لیا، تاکہ دن چڑھے دیکھ کر معلوم کر سکے۔ اس چوپن پر درخت نہ تھے، چنانیں تھیں۔ اس نے لاٹھی رانوں میں ڈائی گنٹھری پاس رکھی اور گدڑی کا گھر و ندا سا بنا کر ایک چان کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے سوچا، یہ راست بھی کیا عجیب ہے۔ جب تک چلتے جاؤ رات ہے، جب ٹیک جاؤ تو راستہ ختم۔ ایک ایک قدم سے رستہ بناتے ہے اور اُسی کے ساتھ ختم بھی ہو جاتا ہے۔ اس قلعی غیر یقینی صورتِ حال سے، جو ساتھ ہی ساتھ میں قدمی بھی معلوم ہوئے گئی تھی، اس کا داسٹلہ پہلے کبھی نہیں پڑا تھا۔ اس نے سوچنے کی کوشش کی۔ اُسے اپنی گوشۂ ذذگی میں کوئی ایسا موقع یاد نہ آیا جس کا سامنا کرنے کی کوئی نہ کوئی تدبیر، اس کے اپنے عنصر کے اندر یا باہر، پہلے ہے موجود نہ رہی ہو۔ یہاں تک کہ جب وہ جیل میں تھا تو اُس وقت کے تاریک ترین فوریں بھی آگے کی ایک نہ ایک نہ ایک تدبیر ہمیشہ اُس کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ اب یہ ایک ایسا موقع آیا تھا جو بے تدبیر تھا۔ وہاں لیٹئے لیٹئے اُس نے سوچنے کی کوشش بھی خیال کیا کہ قدمت کی چیزوں بھی اسی نوعیت کی ہوں ہیں، چیزیں پہاڑ کا سورہ مڑو تو سامنے ایک چل دل پڑھ رہے یا ایک ہمیشہ ایک ڈا سے لگتے ہے کھڑی ہو، اس بات سے قلعی یہے نیا کہ کوئی انہیں فوج کیسے اور حیرت زدہ ہو یا کہ ہمیشہ کیلئے ہر آنکھ اُن سے اُجھل سبھے، اگرچہ سینکڑوں بہیں وہ وہاں پر موجود ہیں۔

اسے کافی ہیں بھلکنے لگا تھا۔ اُٹی بیدھی ہاتوں سے گجر کر اُفراں کا خیال ایک صاف تحری سمت کی تلاش میں محل پڑا۔ اُس گجر پر دھلی ہوئی دھوپ کی فضائیں بہر پریز شیشے کی شفاف اور ٹھوس اپنی پر موجود تھی اور اُس میں طویل چوکریاں بھرتے ہوئے ایک دھاری دار جانز کی شبیہہ تیری سے حرکت کرتی تھی۔ پہلی دلشیر اُس کو ایک جاذر کے روپ میں نظر آیا۔ وہ اونچھا گیا۔

بُجھ کے وقت اُسے دیکھ کر یاد سی ہوئی کہ جس مقام پر وہ کھڑا تھا، سڑک کے راستے وہ گنجہ چارکوں سے صرف چھٹے کے طرف پر تھی۔ یعنی چھٹے کا سفر اُس نے چار دن میں ختم کیا تھا۔ اُس نے دو پہنچ سفر جادی کرنے کا ارادہ کریا۔ وہ چلتا چلتا سڑک کے قریب آنکھ لاتھا۔ اب اُسے پھر سڑک سے دور جانا تھا۔ مگر اُس کا ایک فائٹہ ہوا تھا کہ سڑک کو دیکھ کر اُسے اذانہ ہرگیا تھا وہ کہاں پڑے ہے۔ نیز یہ کہ اب اُسے کن کن جگہوں سے پڑ کر بھلنا ہے۔ اُس کے دل سے سفر کا خوف بھی کچھ کچھ اُترنا جا رہا تھا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ صرف رات کو ہی چلنے کی مصلحت عین سفر دردی ہے۔ موقع دیکھ کر دن کو بھی سفر کیا جا سکتا ہے۔ دُسری طرف سے قدرت اُس کی مرد کر رہی تھی۔ چلتے چلتے دُوسرے سے اُسے ایک پہاڑی کے دام میں چند جھوپڑیاں نظر آئیں۔ وہ راستہ بدل کر ان کے قریب سے گزرا تو اُس نے دیکھا کہ وہ بے دخلوں کے گھر تھے۔

بے دخل! اسکے انتہا گیا ایک خزانہ آگیا۔ اُس نے خوشی سے پنے دل میں اس لفظ کو دہرا یا۔ یہ ایک ایسا لفظ تھا جو سو دس سال پہلے وجود میں آیا تھا۔ یہ ایسے لوگ تھے جو پہلی جگہ کے موقعے پر اپنے گھروں سے اکھڑ گئے تھے۔ اُس پہلے میں کچھ اور ہر سے اور ہر چلے گئے، کچھ اُدھر سے اور ہر گئے۔ کئی سال پہلے کسی طرف کی حکومت نے ان پر کوئی توجہ نہ دی۔ ہر بُجھی انتظامیہ نے اس منڈے کو مل کرنے کی اپنی سی کاشش کی، اگر بات مخوبی بہت کا غذی کارروائی سے آگے نہ رہ سکی۔ جتنے ہوتے ہوئے مگر دوپس جانے کے خراب ان لوگوں کے دلوں سے اُتر گئے اور وہ ایک مستقل خانہ بدوش تکمیل کی صورت اور حیثیت اختیار کر گئے۔ مگر ایک خیال جگہ کا نام بن گیا جس کی باقی میں یہ لوگ اب بھی کپا کرتے تھے، مگر بعض وقت کئی کی خالہ۔ اب یہ لوگ اُسی طرح جیسے سیاست کے کرتے آئے تھے، مزدوری یا جنگلات کی فوریاں کرنے لگے تھے، مگر رہتے ہوئے عارضی جھوپڑیوں میں تھے اور کہیں ملکتے دتھے، چند بھرپور اور بکریاں پال لیتے تھے اور کہنوں کی شکل میں، یا ایکیے دیکیلے، ایک جگہ سے دُسری جگہ کو سفر کرتے رہتے تھے مگر ایسا تدریجی طور پر یہ لوگ آہستہ آہستہ خانہ بدوشوں کی طبیعتیں اختیار کرتے جا رہے تھے، ایسی طبیعتیں جن کی اپنی اور ولی زندگی اُنہوں کی جھوپڑیاں ہوتی ہیں۔ اس کو علم تھا کہ ان علاقوں میں ایک اور جگہ پر حکومت نے پکھ کارروائی کی خاطر ان لوگوں کے لیے کمپس بھی لگا کر کے تھے، جہاں لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ ان کی پیسوں میں کہاں

بل جایا کرنا تھا، اور چند سفر ان طرف پڑی کرنے پر کم بھی کہا جا رکھو ست کی طرف سے پیسے دنیروں میں کی صورت بھی نہ کلتی۔ پڑھئے لکھئے لوگوں کی زبان میں انہیں ڈی پی یعنی "D'spilis" پر سن کہا جانا تھا، عام لوگ ان کو محض ڈے بے دخل کے نام سے پکارنے تھے۔ اسد کو حیرت جوئی کو پہلے نے اس کا خیال کیوں نہیں آیا، حالانکہ ان لوگوں کی حالت اُس کی اپنی صورت حال سے قریب ترین تھی۔ ان کی دناداری کسی یک طرف سے نہیں تھی، صرف اپنے ساتھ تھی میقت گز نہ کے ساتھ ان کے اوپر واضح ہر چکا تھا کہ وہ دونوں طرف سے نکلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک بین، ڈبل ایک بین، سمجھو دنیروں اس تجھی میں کثرت سے پیدا ہوتے تھے۔ وہ ان کے کیمپ کے نزدیک نہیں جانا چاہتا تھا، کیمپ اپنے آدمیوں سے بھرا ہو گا، اور یقیناً کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اُس کی شناخت کر لیں گے۔ مگر اُس کیلئے ڈے بے دخل "بن جانا" یک عین تدقیقی بات تھی۔ چنانچہ فقیر کار و پت اُندر کروہ بے دخل بن گیا۔

ملک کشمیری لوگ انہیں کام چوری کا طعندیتے تھے، اور عام رائے تھی کہ یہ لوگ اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ان کی مغلوب الہامی کو عام طور پر سیدم کیا جاتا تھا۔ اسد نے دیکھا کہ بے دخل کہہ کر اپنے آپ کو متعارف کرنے سے لوگ ابے دل سے ہیں، مگر کھانا دینے سے انکار نہیں کرتے تھے۔ زیادہ سوال جواب نہیں کیے جاتے تھے، اور دن کے وقت و حرب میں یا شام کر گھٹے اسماں کے پیشے لوگ اپنے صحنوں یا احاطوں میں اُسے پڑاہئے دیتے تھے، مگر اُس پر کڑی نظر کھی جاتی تھی، یہ واضح کہ دیا جانا تھا کہ یک وقت سے زیادہ کا کھانا اُس سے نہیں ملے گا، اور عموماً گھر باہر کے کام کا ج پر اُسے لکایا جانا تھا۔ سب سے بُرا فائدہ یہ ہوا تھا کہ وہ ایک عام سوال، "کہاں سے آئے ہو؟" کہاں جاہے ہو؟" کا جواب گھٹنے سے پر بچ گیا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" عموماً کسان اُس سے بُریں گویا ہوتا۔

"کیمپ کو" وہ کہتا۔

"مُفت خودی کی زندگی پڑھی نہیں ہوتی۔ مُحت کر کے روئی کھانا برآدمی کا فرض ہے۔ ادھر رہ جاؤ۔ بھیتر پر کام کرو، دو وقت کی روٹی بل جائے گی۔ بُرا ان آسب کو پھر ملے گا....."

"کیمپ میں اپنے برشنا دار ہیں۔ ان کی بھر مل ہے۔" اسد جواب دیتا، "ان سے مل کر آجائوں گا۔"

سوال کرنے والے کو تین بوجانہ کو بھردا کام چور ہے۔ کیمپ میں جا کر بیٹھوڑ ہے گایا اسی طرح، بُک تاگ کر گوارا کرنا رہے گا۔ وہ روٹی تو دے دیتا مگر اُس کا مزاج سخت ہو جاتا، جس وجہ سے اسد کے پیسے دہان دن بھر کا وقت کھانا مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ دو تین روز کے بعد اُسے اپنی سکیم میں تبدیلی کرنا پڑی۔ کھاتے ہیتے کسازں اور دکان وار دل کے گھروں کی بجائے اُس نے اب غریب عزیز کے گھروں میں جانا شروع کر دیا، وہ لوگ جو عموماً جنگلوں کی نوکیاں یا کھیت

مزدوری کرتے تھے۔ روکھی سوکھی کھانے کو اُسے مل جاتی اور یہ لوگ نے دن بھر را رات کا کچھ حصہ دہماں پڑا رہتے ہی پر زیادہ ناک بھروس نہ پڑھاتے اور زیادہ دل کرتے۔ اس نے ان لوگوں کو نسبتاً نیادہ خدا حس بھی پایا۔ اُس نے دیکھا کہ یہ لوگ اُس کی مخصوص حیثیت کو زیادہ آسان اور سادگی سے قبول کر لیتے تھے۔ اگر باقی کرنے تو ہمدردی کی کرنے اور غریب لوگوں کے انداز میں اُسے منت بھی دیتے تھے۔ اُس کے سفر کا یہ آسان ترین دور تھا۔ اُس نے تقریباً آدھا راستہ ملے کر لیا تھا۔ اس وقت اُس نے سوچا کہ اگر وہ کسی طریقے سے ہر دو قدمیں روز کے بعد سڑک کا صدائے کٹا رہے تپ پنج سات دن میں وہ سرحد پار کرے گا۔

مگر اُس کی امید ایک بار پھر اپنی اتھا کو پہنچ کر دوٹ گئی۔ یہ واقعہ ایک روز ایک جنگل مزدور کے گھر غیر متوقع طور پر پیش آیا۔ وہ دوپہر کے وقت رہاں پہنچا تھا۔ ان عزیب گھروں کے صحن یا احاطے نہیں ہوتے تھے۔ پھاپنہ وہ پیٹ بھرتے کے بعد دروازے کے ساتھ ہی وجہ اکٹھگی میں نکلا تھا، ہجڑو رہتا تھا۔ اُس روز اس نے دروازے میں بیٹھ کر باقی کرنے لگا۔ اس نے خیال سے اُس کی یاتر کا جواب دیتے دیتے اونچ گیا۔ پھاپنہ کسی نے اُسے پکارا؟

”اسد ہے“

”ہنپہ بھے اُس نے“ تھیں کھول کر جواب دیا۔ جواب دیتے ہی اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس کو اپنا ہم اسیر تاچکا تھا۔ ظاہراً اُس مزدور نے اپنے پنچے کو آواز دی تھی۔ اس بات نکلنے کی خاطر جگ کر گھر کے اندر نچکے طرف دیکھنے لگا۔ مگر اُس شخص کو شک پڑھ کا تھا۔

”تیرا نام اسد ہے بھے اُس نے شک لپھے میں پوچھا۔

”نہیں“ اس نے جواب دیا، ”غلطی لگی ہے۔“

”نام کی غلطی لگی ہے؟“

”پساجانی یاد آ رہا تھا۔ اُس کا نام اسد ہے۔“

کشیری عجیب نظروں سے نے سے گھوتا رہا۔ اس کی غینہ غایب ہرچکی تھی۔ کشیری کی بیوی اور نپکے باہر نکل آئے تھے اور سکھرے تجسس سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

”یہ کیا ہے؟“ کشیری گھرمی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”دواکی بُنی ہے۔ بُجھے سائنس کا مرض ہے۔“